مضامین

(۱۵ نمبر)

تعارف

مضمون نثر کی وہ صنف (قسم) ہے جس میں کسی ایک موضوع کے بارے جملہ معلومات کو ایک خاص منطقی ترتیب میں جوڑا جاتا ہے اور اُس ترتیب کے پیشِ نظر کسی حتمی اور منطقی نتیجے پر پہنچا جاتا ہے۔ان موضوعات کا تعلق زندگی کے کسی شعبے سے بھی ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ موضوعات سائنسی نوعیت کے بھی ہو سکتے ہیں، معاشرتی نوعیت کے بھی، شخصی نوعیت کے بھی، مذہبی نوعیت کے بھی اور گہرے فکری اور فلسفیانہ موضوعات بھی مضامین میں زیرِ بحث لائے جا سکتے ہیں۔ایک عام قاری کے لیے ٹھیٹھ سائنسی اور فلسفیانہ مضامین میں ممکن ہے دلچسپی کا عنصر بہت کم ہو کیوں کہ ایسے مضامین میں اصطلاحات اور ان اصطلاحات سے برآمد ہونے والے مطالب روزمرہ تحریر سے ہٹ کر ہوتے ہیں۔ظاہر ہے کہ جب ایک فلسفی کسی موضوع پر مضمون تحریر کرے گا تو اپنے فکری نظام کی وضاحت کے لیے اُس کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ خود اپنی اصطلاحات تراشے۔اس کے علاوہ ہم مضمون نگاری کے ضمن عناوین کی مندرجہ ذیل درجہ بندی کر سکتے ہیں:

۱۔ شخصی موضوعات

۲۔ علمی،سائنسی وادبی موضوعات

۳۔ حالاتِ حاضرہ پر مبنی موضوعات

۴۔ مذہبی موضوعات

۵۔ عمومی موضوعات

ان موضوعات کا زیادہ تر انحصار قارئین کے حلقے پر ہوتا ہے۔یعنی قارئین زندگی کے جس شعبے سے تعلق رکھتے ہیں وہ اُسی شعبے سے متعلق مضامین میں دلچسپی رکھیں گے۔اس لحاظ سے مضمون نویسی کی بھی درجہ بندی یا گروہ بندی کی جا سکتی ہے۔مطلب یہ کہ جو مضمون نگار زندگی کے جس شعبے سے تعلق رکھے گا یا زندگی کے جس شعبے سے اُس کو زیادہ دلچسپی ہوگی اُس کے پاس اُسی شعبے کے بارے میں زیادہ اور مفید معلومات جمع ہوں گی۔اس حوالے سے مضمون نگاری اپنے شعبے کے بارے جملہ معلومات کو منطقی ترتیب میں لانے کا ایک فن ہے۔

دورِ حاضر میں مضمون نگاری جہاں قارئین کے تشنہ پہلوؤں کی تسکین کرنے کا فن ہے وہاں یہ ادیبوں اور مضمون نگاروں کے لیے روزگار کے مناسب ذرائع بھی فراہم کرتی ہے بلکہ بعض وقت تو ایسا ہوتا ہے کہ کسی مضمون میں روپیہ کمانے کا عنصر اس حد تک غالب آ جاتا ہے کہ نفسِ مضمون بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ایسے مضامین قارئین کو گمراہ کر سکتے ہیں۔کیوں کہ ان میں ایسی معلومات کا فقدان ہوتا ہے جو نفسِ مضمون کے حوالے سے مرکزی اور کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔تاہم ایک جامع اور مبسوط مضمون لکھنے کے لیے ہمیں کئی تقاضوں کو نبھانا پڑتا ہے۔ماہرین نے مضمون نویسی کے لیے مندرجہ ذیل لوازمات کا نبھانا ضروری قرار دیا ہے:

Geniusnesthub.com
CamScanner

مضمون نویسی کے لوازمات

۱۔ مشاہدے کی وسعت

ایک کامیاب اور منطقی طور پر مکمل مضمون کی بنیادی صفت مشاہدے کی وسعت ہے۔ایک مضمون نگار اُس وقت تک کسی موضوع کی تمام جزیات کی نشاندہی نہیں کر سکے گا جب تک وہ اپنے مشاہدے کو زندگی کے ہر شعبے تک وسعت نہیں دے دیتا۔ آج کے جدید دور میں انسان اور انسانی تعلقات میں جس قدر پیچیدگی اور وسعت آچکی ہے اُس کے لیے یہ بات انتہائی ضروری ہوگئی ہے کہ مضمون نویس زندگی کا وسیع مشاہدہ رکھتا ہو زندگی کے ان تمام شعبوں میں اُس تعلق کو بھی جانتا ہو جو اُس کے زیرِ مطالعہ موضوع کا تقاضا ہے۔

۲۔ مطالعے کی وسعت

مشاہدے کی طرح مطالعہ بھی مضمون نویسی کی بنیادی ضرورت ہے۔مطالعے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان بس کتابوں کو پڑھتا جائے بلکہ مطالعے میں مضمون نویس کے ذہن کی وہ سرگرمی بھی آجاتی ہے جس کے تحت وہ اپنی زندگی کے مشاہدات کو جوڑنے کا کام کرتا ہے۔کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مشاہدہ اور مطالعہ دو بالکل مختلف چیزیں نہیں ہیں بلکہ ان دونوں کا آپس میں اٹوٹ رشتہ اور تعلق ہے۔ مشاہدے میں مطالعے کا جوہر ہونا انتہائی ضروری ہے۔دوسرے لفظوں میں مشاہدے اور مطالعے کی اچھی تال میل ہی سے ایک اچھا مضمون لکھا جاسکتا ہے۔

۳۔ غور وفکر اور تنقید

مضمون لکھنے کے لیے سب سے ضروری چیز موضوع کے بارے میں سوچنا ہے۔ہم کسی موضوع کے بارے میں معلومات کے پلندے کو مضمون نہیں قرار دے سکتے۔سب سے اہم اور مشکل کام اُن معلومات کو ایسی ترتیب میں جوڑنا ہے جس میں آنے کے بعد وہ بامعنی تحریر کا لطف دیں۔یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب موضوع کے بارے تمام معلومات کا انتہائی غور وخوض سے جائزہ لیا جائے۔یہی نہیں بلکہ مضمون کو شکل دینے کے بعد اُس پر تنقیدی انداز سے نظر دوڑائی جائے۔تنقیدی نظر دوڑانے کا مقصد یہ دیکھنا ہے کہ مضمون اپنے موضوع کے عین مطابق تمام پہلوؤں کا احاطہ کررہا ہے،اس میں فکری سطح پر کوئی جھول تو نہیں رہ گیا اور یہ کہ کیا اس میں کوئی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔

ان تینوں مراحل سے گزرنے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک مضمون نویس ایک عمدہ اور مبسوط مضمون لکھنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔تاہم انٹرمیڈیٹ کے ایک طالب علم کی سہولت کے پیشِ نظر مضمون کو مندرجہ ذیل تین حصوں کے تحت ترتیب دیا جاسکتا ہے۔

۱۔ تعارف یا تمہید ۲۔ عنوان پر مدلل بحث ۳۔ کسی منطقی نتیجے پر پہنچنا

امتحانی پرچے میں مضمون لکھنے کے لیے اہم ہدایات

ایک عام طالب علم کی چوں کہ مضمون نویسی کے سلسلے میں بہت زیادہ مشق نہیں ہوتی اس لیے وہ امتحانی پرچے میں ایک اچھا مضمون لکھنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔تاہم اگر وہ مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل درآمد کرلے تو وہ ایک اچھا مضمون لکھنے میں بآسانی کامیاب ہوسکتا ہے:

☆ طالب علم ایسے موضوع کا انتخاب کرے جس کے بارے میں اُس کے پاس زیادہ سے زیادہ معلومات کا ذخیرہ موجود ہو۔
☆ طالب علم کسی ایسے موضوع کا انتخاب ہرگز نہ کرے جو عام فہم نہ ہو اور جس کے بارے میں اُس کی معلومات بہت محدود ہوں۔
☆ موضوع کا انتخاب کرنے کے بعد وہ موضوع کے بارے اپنی جملہ معلومات کا جائزہ لیتے ہوئے مضمون کا مختصر سا خاکہ تیار کرے جس

Geniusnesthub.com
CamScanner

میں مضمون کے آغاز سے لے کر اختتام تک تینوں مراحل موجود ہوں۔ اسے ہم مضمون کا نقشِ اول مرتب کرنا کہیں گے۔

☆ اس کے بعد باقاعدہ مضمون لکھنا شروع کر دیں اور مختلف پہلو ذہن میں آنے پر یاددہانی کے لیے حاشیے میں ان کو لکھتے جائیں۔

☆ مضمون کی ابتدا میں اگر آپ کوئی دعویٰ کرتے ہیں یا مفروضہ قائم کرتے ہیں تو اُس دعوے یا مفروضے کو ثابت کرنے کے لیے آپ کے پاس مناسب معلومات کا ہونا بہت ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر آپ ایسا مفروضہ ہرگز نہ قائم کریں۔

☆ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے آپ موضوع سے متعلقہ اہم واقعات کا حوالہ دے سکتے ہیں، اس کے علاوہ کسی کا قول رقم کرنا، کسی آیت یا حدیث کا حوالہ دینا یا تائید یا تردید میں کوئی شعر درج کرنا یا کسی مشہور فلسفی کے نقطۂ نظر کا اندراج کرنا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

☆ مضمون کا آغاز ایسے انداز سے کریں کہ اُس میں نہ صرف دلچسپی کا عنصر موجود ہو بلکہ بات کرنے کا انداز ایسا ہو کہ اس میں قاری یا ممتحن کے لیے دلچسپی کا سامان موجود ہو۔ مطلب یہ کہ روایتی انداز سے ہٹ کر مضمون کا آغاز کرنا عموماً مفید ثابت ہوتا ہے۔

☆ تمام مضمون میں آپ کی تحریر اور اسلوب انتہائی آسان، صاف اور سادہ ہونی چاہیے۔ رٹے رٹائے لفظوں سے گریز کرنا چاہیے۔ ایسے لفظ بھی بالکل استعمال نہ کریں جو معمول سے ہٹ کر ہوں۔ اس کے علاوہ لفظوں یا فقروں کے تکرار سے بھی پرہیز کیا جائے کیوں کہ ایسا کرنے سے ممتحن پر منفی اثر مرتب ہوتا ہے۔

☆ مضمون کے آغاز سے لے کر اختتام تک ایسا سلیقہ اپنایا جائے کہ پہلی نظر ہی میں ممتحن کی توجہ سمیٹ لے۔

نوٹ: امتحانی پرچے میں سب سے اہم بات مضمون کی طوالت اور وقت کی تقسیم ہے۔ اس سلسلے میں اہم بات یہی ہے کہ چوں کہ دیگر سوالات اکثر مختصر ہیں اس لیے اُنہیں پہلے ختم کیا جائے اور مضمون کا سوال سب سے آخر میں رکھا جائے۔ مضمون لکھنے کے لیے آپ کے پاس کم از کم چالیس سے پچاس منٹ ہونے چاہئیں۔ اتنے وقت میں آٹھ سے دس صفحوں کا مضمون آسانی سے لکھا جاسکتا ہے۔

Geniusneshub.com
CamScanner

اسلام ایک عالمگیر دین

اسلام کا لفظی معنی "امن اور سلامتی" کے ہیں۔ عملی معنوں میں اسلام اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر کے امن اور سلامتی میں داخل ہونے کا نام ہے۔ گویا مسلمان وہ ہے جو اپنی مرضی کو چھوڑ کر اللہ کی مرضی کو اختیار کر کے امن اور سلامتی میں داخل ہو جائے۔ بقول اقبال:

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اسلام کا بنیادی عقیدہ توحید ہے یعنی اس کائنات کا خالق صرف اللہ ہے جس کی ذات، صفات اور عبادت میں کوئی شریک نہیں۔ دوسرا اہم اور بنیادی عقیدہ حضرت محمد ﷺ کا اللہ کے آخری نبی اور رسول ہونے کا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ عقائد ہیں، جن پر ایمان رکھنا اسلام کی بنیادی شرائط میں شامل ہے۔ ان میں یوم آخرت، انبیا، الہامی کتابوں اور فرشتوں پر ایمان شامل ہے۔

نیکی تو یہ ہے کہ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے
اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر۔ (البقرہ:۱۷۷)

اگر ہم اسلام کا تقابل دوسرے مذاہب یا ادیان سے کریں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اسلام کچھ امتیازی خصوصیات کا حامل ہے۔ یہ امتیازی خصوصیات اسلام کے برحق ہونے کی بھی دلیل ہیں۔ سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی سب سے نمایاں خصوصیت عالمگیریت ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اسلام کسی ایک علاقے یا زمانے کے لیے نہیں ہے بلکہ ساری دنیا اور تمام زمانوں کے لیے ہے۔ اسلام سے پہلے جتنے بھی مذاہب آئے وہ کسی مخصوص زمانے یا علاقے کے لیے تھے۔ مثلاً قرآن حکیم میں جتنے بھی انبیا کا ذکر آیا ہے، ان کے تعارف میں لکھا ہے کہ اللہ نے اس قوم میں سے ایک فرد کو ان کی طرف بھیجا۔ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ لیکن قرآن رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (سبا۔۲۸)
آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ (الاعراف۔۱۵۸)

گویا اسلام ساری دنیا کے انسانوں کے لیے نازل کیا گیا تھا اور محمد ﷺ کو تمام انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔

اسلام کی دوسری امتیازی خصوصیت اکملیت ہے۔ یعنی اس میں زندگی کے ہر پہلو کے لیے مسائل کا حل موجود ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بنیادی مسائل کے علاوہ کچھ نئے مسائل سر اُٹھاتے رہتے ہیں۔ اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے جو قیامت تک انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام مسائل کا موثر حل دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارے دین کو، اور پورا کر دیا تم پر اپنے انعام کو،
اور پسند کر لیا تمہارے لئے اسلام کو (ہمیشہ کے) دین کے طور پر۔ (المائدہ۔۳)

اسلام کی ایک اور خوبی اس کا محفوظ ہونا بھی ہے۔ اسلام سے پہلے جتنے بھی الہامی یا غیر الہامی مذاہب آئے وہ سب مرورِ زمانہ کے ساتھ تبدیل ہوتے گئے۔ تورات اور انجیل انسانی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ لیکن اسلام چوں کہ آخری اور مکمل دین ہے، جسے قیامت تک انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔ اس لیے اللہ سبحان وتعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانے بدل جانے کے باوجود قرآن حکیم کا ایک ایک حرف اس کی دست برد سے محفوظ رہا۔

Geniusnesthub.com
CamScanner

اور بلاشبہ ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن حکیم) کو، اور بلاشبہ ہم خود ہی اس
کے (محافظ و) نگہبان بھی ہیں۔ (الحجر۔۹)

اسلام کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اللہ کا پسندیدہ دین ہونا بھی ہے۔ بلاشبہ اللہ سبحان وتعالی نے ہر دور کے لیے انبیا و رُسل کے ذریعے ہدایت کا اہتمام فرمایا ہے۔ لیکن اسلام کی صورت میں قیامت تک ہدایت کو مستقل کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت کی رُو سے اب یہ لازم ہے کہ اسلام کا راستہ اختیار کیا جائے ورنہ دنیاوی اور اُخروی کامیابی ناممکن ہوگی۔

اور جس نے اسلام کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے
گا، اور وہ آخرت میں یقیناً خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ (آل عمران۔۸۵)

اسلام نہ صرف دینِ فطرت ہے بلکہ انسانی عقل کے بھی عین مطابق ہے۔ وہ تمام مذاہب جو آغاز میں تو الہامی تھے لیکن بعد میں ان کے پیروکاروں نے تحریفات کے ذریعے انھیں اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیا یا وہ مذاہب جو انسانوں کے خود ساختہ ہیں، انسانی فطرت اور انسانی عقل کو مطمئن کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ مثلاً بہت سے مذاہب میں رہبانیت کا تصور، غیر فطری رسم و رواج، نظام ہائے زندگی اور ان سے نکلنے والے تصورات انسانی فطرت کے خلاف ہیں۔ لیکن اسلام کا عقیدہ نہ صرف عین عقلی ہے بلکہ اس کے احکامات بھی انسانی فطرت کی تسکین معتدل اور متوازن انداز میں کرتے ہیں۔

اسلام ایک ایسا اصلاحی اور انقلابی دین ہے جو ساری دنیا تک اللہ کے پیغام کو لے جانے کا دعویدار ہے تاکہ کل انسانیت کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اس معبودِ حقیقی کی بندگی میں لا سکے جو اس کائنات کا حقیقی خالق ہے۔ اسلام ایک ایسی انقلابی سوچ کا حامل ہے جو انسان کی اُخروی زندگی کے ساتھ ساتھ دنیاوی حالت بدلنے کا دعویدار بھی ہے۔ یہی وجہ کہ دنیا میں جہاں جہاں اسلام پہنچا، وہاں نہ صرف لوگوں نے اس دل و جان سے قبول کیا بلکہ اسے دوسروں انسانوں تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی اُٹھائی۔ اور پھر اسلام کے انقلابی تصورات نے بندہ و آقا کی تمیز مٹا کر انسان کو جینے کا ہنر سکھایا اور زندہ رہنے کا مقصد دیا۔

وہ (اللہ) وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ، تاکہ وہ اس
کو غالب کرے تمام دینوں پر، اگرچہ یہ امر برا لگے مشرکوں کو۔ (التوبہ۔۳۳)

پھر سب سے اہم بات یہ کہ یہ دین اپنے ماننے والوں پر اس بات کی ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ دنیا میں خیر کو پھیلانے والے اور برائی کو مٹانے والے ہوں۔ یوں اسلام اپنے ماننے والوں کو اس دنیا کی حالت بدلنے کا فرض عائد کرتا ہے جسے پورا کرنے کے لیے وہ انھیں بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار کرتا ہے۔

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور
بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران۔۱۱۰)

بلاشبہ اسلام کے قوانین قیامت تک رہنمائی کے لیے ہیں۔ قرآن اور سنت کی شکل میں یہ قوانین ہمارے پاس موجود ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم پھر سے اسلام کے ان ابدی اور عالمگیر قوانین کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں نافذ کریں۔ یہ ملک تو حاصل بھی لا الہ کے نام پر کیا گیا تھا لیکن یہاں اسلام کے قوانین کا نفاذ کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ پھر سے ہمیں اپنی زندگیاں اسلام کے زیرِ سایہ گزارنے کی توفیق دے۔ آمین

Geniusnesthub.com
CamScanner

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات

انسان ایک معاشرتی حیوان ہے۔ اس مل جل کر رہنے کے لیے کسی ضابطے یا قانون کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ ایک معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ ہم عموماً یہ سنتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا قانون ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لیے قانون یا احکامات دیتا ہے۔ خواہ وہ پہلو مادی ہو یا روحانی، ان کا تعلق عقیدے سے ہو یا معاملات سے، وہ معیشت کے قوانین ہوں یا معاشرت کے، وہ انصاف سے متعلق ہوں یا سزاؤں سے، اسلام ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔

جسے ہم "مذہب" کہتے ہیں، اس کے لفظی معنی "چلنے کا راستہ" کے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں مذہب عقیدے اور عبادات کے مجموعے کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہندومت، بدھ مت وغیرہ۔ اسی طرح لفظ "دین" کے لفظی معنی "نظامِ حیات" کے ہیں، لیکن اصطلاح میں دین ایسے ضابطے کو کہتے ہیں جس میں عقیدے اور عبادات کے علاوہ زندگی کے ہر پہلو کے حوالے سے احکامات موجود ہوں۔ ان معنوں میں اسلام ایک دین ہے اور قیامت تک رہنے کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ہدایت سے سرفراز کرنے کے لیے انبیا اور رُسل بھیجے۔ جو نہ صرف خالق اور مخلوق کے درمیان تعلق کی وضاحت کرتے تھے بلکہ وہ انسانوں کے درمیان معاملات کے لیے اللہ کی ہدایات بھی اُن تک پہنچاتے تھے۔ گویا انبیا اور رُسل وہ منشور لے کے آئے جو زندگی گزارنے کا دستور تھا۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک چلتا رہا۔ بقول حالی:

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

لیکن حضرت محمد ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیا اور رُسل آئے، وہ سب اپنی اپنی قوم یا زمانے کے لیے تھے۔ ان کی تعلیمات اپنی قوم یا زمانے کے لیے تھیں۔ اگرچہ آپ ﷺ کے دور تک انسان فکری، سیاسی اور سماجی لحاظ سے کافی شعور حاصل کر چکا تھا لیکن انتشار اور جہالت ہر جگہ موجود تھی۔ ایسے میں انسانیت کسی ایسے معجزے کی منتظر تھی جو نہ صرف ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر سکے بلکہ زندگی کے جملہ مسائل کا حل بھی احسن طریقے سے دے سکے۔ ایسے میں اللہ نے اپنے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنے آخری دین کو مکمل فرما کر انسانیت پر احسان عظیم فرمایا۔ اور اسے اندھیروں سے نکال کر روشنی کا مسافر بنا دیا۔ ایسا مسافر جسے قیامت تک کے لیے راہنما اصول دے دیے گئے تھے۔

آج ہم نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارے دین کو، اور پورا کر دیا تم پر اپنے انعام کو، اور پسند کر لیا تمہارے لئے اسلام کو (ہمیشہ کے) دین کے طور پر۔ (المائدہ۔۳)

اب ذرا انسانوں کے مسائل کے حل کے حوالے سے ایک نظر اسلام کی بنیادی تعلیمات پر بھی ڈالتے ہیں۔

سب سے پہلے اسلام کی سیاسی تعلیمات کو ایک نظر دیکھتے ہیں۔ اسلام کی سیاسی تعلیمات کے مطابق اقتدار اعلیٰ کا مالک اور حقیقی حاکم صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ انسان کی حیثیت اس کے خلیفہ یا نائب کی ہے۔ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کو اس کا نائب ہونے کی حیثیت سے من وعن نافذ کرے۔

حکم تو بس اللہ ہی کا ہے۔ (الانعام۔۵۷)

کسی قانون ساز اسمبلی، حاکم، بادشاہ، ڈکٹیٹر یا منتخب نمائندے کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ زندگی گزارنے کے لیے قانون سازی کرے۔ کیوں کہ اس طرح وہ اپنی یا دوسرے لوگوں کی بربادی کا سامان مہیا کرے گا۔ جس کی بڑی اچھی مثال ہم مغرب کے زوال پزیر

Geniusesthub.com

CamScanner

معاشرے کی صورت میں دیکھ رہے ہیں

اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ہی کافر ہیں۔(۔۴۴)

اسلام کی معاشی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کے لیے بے شمار وسائل اور نعمتیں پیدا کی ہیں جو انسان کی بنیادی ضروریات کے لیے کافی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دولت کی عادلانہ تقسیم کے ذریعے معاشرے کے ہر فرد کو اپنی بنیادی ضروریات اور تعیشات حاصل کرنے برابر مواقع دیے جائیں۔

یہ مال تمھارے دولت مندوں کے ہاتھ ہی میں گردش کرتا نہ رہ جائے۔ (حشر۔۷)

اسلام کے معاشی قوانین کا بنیادی تصور یہ ہے کہ معاش صرف اور صرف اللہ کے بتائے ہوئے حلال طریقے سے کمایا جا سکتا ہے۔ اور اللہ نے جن اسباب کو حرام قرار دیا ہے۔ ان کے ذریعے رزق کمانا دوزخ کی آگ کمانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اسی لیے اسلام میں سود، جوا، انشورنس، سٹہ بازی، سٹاک مارکیٹ، فیوچر ٹریڈنگ سب حرام ہیں۔ اور یہی وہ اسباب ہیں جو معاشرے میں معاشی انتشار اور افراتفری پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور انھیں ذرائع کو استعمال کر کے سرمایہ دار معاشرے میں دولت کے ارتکاز کا رخ اپنی طرف موڑ لیتا ہے۔

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے سب گندی
باتیں، شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو۔ (المائدہ۔۹۰)

اسلام کی معاشرتی تعلیمات ایک خوبصورت اور پاکیزہ معاشرہ قائم کرنے میں مددگار ہیں۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ مل جل کر رہنا چاہتا ہے۔ اسی فطرت کے تحت انسان خاندان اور معاشرہ قائم کرتا ہے۔ اسلام میں مرد اور عورت کا مقام برابری کی بنیاد پر ہے۔ ہر مرد اور عورت اللہ کے ہاں اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہے اور اجر یا سزا کے مستحق ہیں۔

پھر ان دونوں کے تعلق سے خاندان وجود میں آتا ہے جو معاشرے کی اکائی ہے۔ اس لیے اسلام مرد اور عورتوں کے درمیان تعلق کا بڑی وضاحت سے پیش کرتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے۔ دونوں اپنی اپنی حدود میں رہنے کے پابند ہیں۔ دونوں کے درمیان آزادانہ میل جیل جائز نہیں۔ مردوں اور عورتوں کے لیے ستر پوشی فرض ہے۔ دونوں کے لیے ستر پوشی کی اپنی اپنی حدود ہیں۔ خاندان کی بنیاد کو مضبوط بنانے کے لیے ان دونوں کے درمیان کسی بھی ایسے رشتے کی اجازت نہیں جس سے معاشرے میں انتشار پھیلے۔

مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ (النور:۳۰)

اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو
کہ وہ اپنے اوپر چادریں لٹکایا کریں۔ (الاحزاب:۵۹)

ان احکامات کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جہاں مرد اور عورت اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے معاشرے کی ترقی اور ارتقا کے لیے اپنا اپنا کردار بخوبی سرانجام دیتے ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں خاندان مضبوط ہوتا ہے اور انسان رشتوں کے گہرے تقدس اور احترام کے ساتھ زندگی گزارتا ہے نا کہ ایک مادر پدر آزاد معاشرہ جہاں رشتوں کے درمیان ہر تقدس اور احترام ختم ہو جاتا ہے۔

Geniusesthub.com
CamScanner

میری پسندیدہ شخصیت

متبادل عنوانات: ا۔انسان کامل ﷺ ۲۔کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے انبیاء بھیجے۔ ہر نبی مخصوص حالات اور محدود علاقے کے لیے وقف رہا۔ ہر آنے والا دور، ایک آخری آنے والے نبی کی بشارت دیتا رہا۔ اس آخری آنے والے کے بعد کسی نے نہیں آنا تھا۔ دین اسلام کی تکمیل اس آمد کی محتاج رہی۔ پہلے آنے والے تمام انبیائے کرام رنگ اور خوشبو کے قافلے تھے۔ جو آئے اور اپنے گرد و پیش کو مہکا کر اوجھل ہو گئے۔ ان سب کے بعد حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ جن کے وجود، جن کی سیرت اور جن کی تعلیم کے فیض سے یہ دنیا ہمیشہ کے لیے مہکتی رہے گی۔ حسن، جہاں بھی ہوگا، جس رنگ اور جس آہنگ سے ہوگا، وہ حضور ﷺ ہی کا فیض ہے۔ بقول حفیظ تائب:

خوشبو ہے دو عالم میں تری اے گلِ چیدہ　　کس منہ سے بیاں ہوں ترے اوصافِ حمیدہ

(گلِ چیدہ: منتخب پھول۔ اوصاف حمیدہ: پسندیدہ یا قابلِ تعریف خوبیاں)

دنیا بدترین گناہوں کی آلودگی میں لتھڑی ہوئی تھی۔ انسانیت کی اعلیٰ قدریں دم توڑ چکی تھیں۔ عزت اور ناموس ہر لحظہ خطرے میں تھی۔ کمزور کا کوئی حق نہیں تھا۔ اللہ کے بندے، اپنے خالق کو بھول کر، اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کو خدا بنائے بیٹھے تھے۔ گویا توحید کی عظمت بھی ختم ہو چکی تھی اور اخلاق کا حسن بھی مرجھا چکا تھا، ایسے میں حضور ﷺ تشریف لائے اور اپنے ساتھ انسانیت کے لیے روشنی کا پیغام لائے۔ بقول الطاف حسین حالی:

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا　　اور اک نسخہ ء کیمیا ساتھ لایا

آپ ﷺ کی آمد سے دنیا میں شرک اور جہالت کی تاریکی نور میں بدل گئی۔ انسانیت مسکرانے لگی۔ جہالت کافور ہو گئی۔ احترام انسانیت کا شعور پیدا ہوا۔ بندہ اور آقا ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے۔ کمزور کو اس کا حق ملا۔ خصوصاً عورت اور غلام جو صدیوں سے کچلے ہوئے تھے، سر اُٹھا کر جینے لگے۔ بقول شاعر:

اس کا آنا تھا کہ جنت کے دریچے کھل گئے　　ابر رحمت اس قدر برسا کہ چہرے دھل گئے

اعلان نبوت کے ساتھ ہی اپنے بھی بیگانے ہو گئے۔ اور آپؐ کو انتہائی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ نکلا کہ دنیا میں کوئی نبی اتنا نہیں ستایا گیا جتنا میں ستایا گیا ہوں۔ خصوصاً مکی زندگی کے تیرہ سالوں پر ایک نظر کیجیے۔ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب پر زمین تنگ کر دی گئی۔ پہلے پہل تو صرف کمزوروں کو ستایا گیا لیکن پھر جو کوئی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا، ان کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو جاتا۔ جب یہ ستم حد سے بڑھا تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کو پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ لیکن ظلم و ستم کا سلسلہ نہیں رکا۔ حتیٰ کہ آپ کو شعب ابی طالب میں تین سال کے لیے محصور کر دیا گیا۔ بقول ماہر القادری:

اشکوں سے ترے دین کی کھیتی ہوئی سیراب　　فاقوں نے ترے دہر کو بخشا سر و ساماں

(اشکوں: آنسوؤں۔ کھیتی ہوئی سیراب: مراد ہری ہوئی۔ فاقوں: بھوکا رہنا۔ دہر: زمانہ۔ سر و ساماں: مراد رونق)

آخر کار اللہ نے آپ کو اپنی نصرت سے نوازا۔ اور آپ نے مدینہ کے دو قبائل اوس اور خزرج کی نصرت سے مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کی۔ پھر آپ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی۔ لیکن کفار مکہ نے مدینے میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آپؐ اور اسلامی ریاست پر پے در پے حملے کیے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر آپؐ کو اپنی نصرت و فتح سے نوازا۔ آخر ایک وقت آیا کہ آپؐ نے اللہ کی مدد سے قریش کے مرکز مکہ کو بھی فتح کر لیا۔ اور یوں عرب کا تمام خطہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں اسلام کی روشنی سے منور ہو گیا۔ بقول شاعر:

Geniusesthub.com
CamScanner

فاران کی چوٹیوں پہ چمکا عرب کا چاند ہر سمت وہ کر گیا اجالا عرب کا چاند

(فاران کی چوٹیوں: مکہ جس وادی میں ہے، اس کا نام فاران ہے)

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور آپ ﷺ کی کوشش سے اسلام پھیلتا چلا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنی تربیت سے مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کی، جو ایمان، یقین اور اخلاق کی بلندیوں اور عظمتوں کی حامل تھی۔ ان کا دامن مادی وسائل سے خالی تھا مگر سینے یقین کے نور سے منور تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جس طرف بھی گئے، فتح و نصرت ان کے قدم چومتی رہی۔ ان کے دلوں میں صرف اللہ تعالیٰ کا خوف تھا۔ اس خوف نے انھیں تمام دنیا سے بے خوف کر دیا تھا۔ بقول اقبال:

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

یہ حضور ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات کا اثر تھا کہ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے سخت جانی دشمن تھے، بھائی بھائی بن گئے اور ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ دشمن کے مقابلے میں وہ فولاد تھے مگر اپنوں کے لیے ریشم سے بھی نرم تھے۔ ان کی زندگی اور موت اسلام کے لیے تھی۔ ان کے دلوں میں سرفروشی کے ولولوں کے ساتھ ساتھ محبت کے انوار بھی جلوہ گر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وقت آخر بھی پانی کا پیالہ ایک زخمی کے قریب آتا تھا تو وہ اسے دوسرے زخمی کی طرف بھیج دیتا تھا۔ دوسرا، تیسرے کی طرف اور تیسرا چوتھے کی طرف۔ الغرض حضور ﷺ ایک عظیم قوم ساز تھے۔ آپ ﷺ نے قوم کو ایک ایسا ٹھوس جسم بنا دیا تھا جس سے محبت، اخلاق اور ایثار نمایاں تھا۔ بقول اقبال:

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں، وہ طوفان

ہمارا ایمان بھی اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے دل میں اپنے مال، اولاد اور جان سے زیادہ رسول پاک ﷺ کی محبت نہ ہو۔ یہ محبت جس قدر پختہ ہوگی، ایمان بھی اسی نسبت سے بڑھے گا۔ جب تک ہم حضور ﷺ کی محبت کے مقابلے میں دنیا کی محبت کو ترجیح دیتے رہیں گے، دنیا میں ہر لحاظ سے ناکام رہیں گے۔ دنیا کی یہ ناکامی آخرت کی پریشانی اور رسوائی کا باعث ہوگی۔ ہماری تاریخ ایسی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے قدموں پر اپنی جان قربان کرنے اور بعد میں آنے والے مسلمانوں نے حضور ﷺ کے نام پر اپنا سب کچھ لٹا دینے ہی کو زندگی کی سب سے بڑی سعادت اور کامیابی سمجھا۔ بقول مولانا ظفر علی خان:

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی عزت پر خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

(خواجہ یثرب: یثرب کا سردار مراد حضرت محمد ﷺ۔ شاہد: گواہ۔ کامل: مکمل)

پھر سب سے اہم بات کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا چاہتے ہیں تو اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اس کے محبوب ﷺ سے محبت کریں اور ان کی اطاعت کریں۔ ان سے وفا، اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے نبی ﷺ! لوگوں سے کہہ دو، اگر تم حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمھاری خطاؤں سے درگزر کرے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ (آلِ عمران: ۳۱)

یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا راز، نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں پوشیدہ ہے اور اطاعت کا مطلب محض زبانی اظہار محبت نہیں بلکہ عملی اظہار ہے۔ یعنی ہر اس بات اور عمل سے محبت ہو جسے حضور ﷺ نے پسند فرمایا اور ہر اس چیز سے نفرت ہو جسے حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا ہو۔ گویا حضور ﷺ کی پسند کو اپنی پسند بنا لینا ہی رضائے الٰہی کی واحد دلیل ہے۔ اسی میں ہمارے ایمان کی شگفتگی ہے اگر ایمان و یقین پژمردہ ہوں تو یہ زندگی بھی افسردہ ہوگی اور آخرت بھی۔

CS CamScanner

اُسوہ حسنہ ﷺ

تبادل عنوانات: ا۔ محسنِ انسانیت ﷺ ۲۔ رحمتہ اللعالمین ﷺ

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ یہ تمام چنیدہ لوگ صرف اس کام پر مامور تھے کہ انسان تک اللہ کا پیغام پہنچا دیں اور اسے ہدایت کا راستہ دکھائیں۔ وہ ہدایت کا راستہ جو کامیابی اور منزل تک جاتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی کی منزل ہی ہماری زندگی کا اصل ہدف ہے اور اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں دنیا کے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ دنیا کے اس امتحان میں ہمیں قدم قدم پر رہنمائی اور عملی نمونے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یوں تو تمام انبیا کرامؑ ہمارے لیے مثال اور نمونہ ہیں لیکن جسے اللہ تعالیٰ نے کامل مثال اور بہترین نمونہ قرار دیا ہے، وہ محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

تمھارے لیے اللہ کی رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ (الاحزاب: ۲۱)

آپ ﷺ کا اخلاق بہت سے رنگوں اور خوشبوؤں کا امتزاج تھا۔ ذیل میں ہم ان میں سے چیدہ چیدہ اخلاق کا مختصر حال بیان کرتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ رسول اللہ ﷺ رحمت اللعالمین ہیں۔ وہ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ کیا جن و انس اور کیا چرند پرند۔ آپ ﷺ کی رحمت ہر کسی کے لیے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے آنے والے انبیا کو صرف اپنی قوم یا علاقوں کے لیے مبعوث کیا گیا۔ لیکن آپ کی نبوت نہ صرف کل جہانوں کے لیے تھی بلکہ رہتی دنیا تک اسے مشعل برداری کا کام نبھانا ہے۔

ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیا: ۱۰۷)

آپ ﷺ صاحب خلقِ عظیم تھے۔ آپ بلند ترین اخلاق کے مالک تھے۔ بلاشبہ تمام انبیا میں بحیثیتِ اخلاق بہترین تھے لیکن نبی کریم ﷺ کو وہ رتبہء بلند ملا جو کسی کا نصیب نہیں تھا۔ آپ دنیا کو وہ سکھانے آئے تھے جو ان کے رب کو پسند تھا۔ آپ لوگوں کو جہالت سے نکال کر روشنی کا مسافر بنانے کے لیے آئے تھے۔

بے شک آپ ﷺ اخلاق کے سب سے بلند درجے پر فائز ہیں۔ (القلم: ۴)

آپ ﷺ کے زمانے سے پہلے عورت کی معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ معاشرے کا مظلوم ترین طبقہ تھی۔ پہلے مذاہب اور تہذیبوں میں عورت کا شمار گناہوں اور برائیوں کی جڑ کے طور پر کیا جاتا تھا۔ کچھ خطوں جیسے ہندوستان اور عربوں کے بعض قبائل میں تو بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی روایت بھی تھی۔ ایسے میں رسول اللہ ﷺ نے ہدایت کا نور اور امن کا پیغام بن کر چمکے۔ اور معاشرے کے ہر مظلوم طبقے کو اس کا حق دلانے کے لیے سرگرم ہوئے۔ خصوصاً آپ ﷺ کی کوششوں سے عورتوں اور غلاموں کو نہ صرف ان کے حقوق ملے بلکہ معاشرے میں ان کے مقام کا تعین بھی کیا گیا۔

تمھارے غلام! تمھارے غلام! جو خود کھاؤ وہی انھیں کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔ حدیث

آپ ﷺ کے اقدامات ہی کا نتیجہ تھا کہ دنیا سے غلامی بتدریج ختم ہوگئی۔ اس لیے آج عورتوں اور کمزور طبقات کو اس عظیم ہستی کا شکر گزار رہنا چاہیے جس نے انھیں زندہ رہنے کا نہ صرف حق دیا بلکہ زندگی کا ہنر بھی سکھایا۔ آپؐ کے فرمان ہیں:

تم میں سے سب سے زیادہ بہترین وہ جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے۔ حدیث

عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ حدیث

آپ ﷺ کا شفقت کا سب سے زیادہ محور بچے تھے۔ آپ ان سے محبت کرتے تھے۔ انھیں اپنے پاس بٹھاتے۔ انھیں پیار کرتے۔

GeniusNestHub.com
CamScanner

خصوصاً اپنے نواسوں حضرت امام حسین رض اور حضرت امام حسن رض سے آپ کی محبت تو مثالی تھی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاندھوں پر سوار ہو جاتے۔ آپ سے اٹھکیلاں کرتے۔ آپ انھیں نے پیار کرتے۔ ایک دفعہ ایک بدو نے آپ کو انھیں پیار کرتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ ہم تو اپنے بچوں کو پیار نہیں کرتے۔ تو آپؐ نے فرمایا:

جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ حدیث

اخلاق نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے اعلیٰ وصف عدل وانصاف ہے جس پر نظمِ اجتماعی کی کل عمارت کھڑی ہے۔ آپؐ کے ارشادات کے مطابق قانون سب کے لیے برابر ہوتا ہے۔ اور اسی پر ایک معاشرے کی عمارت قائم رہتی ہے۔ جب کسی معاشرے سے عدل مفقود ہو جاتا ہے تو وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ اس کی سب واضح مثال وہ چوری کا واقعہ ہے جس میں ایک عورت مجرم تھی۔ اور اسے بچانے کے لیے بڑی بڑی سفارشیں کی جا رہی تھی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے قومیں بھی اس لیے تباہ ہوگئیں کہ وہ طاقتور کو چھوڑ دیتی تھیں اور کمزور کو سزا دیتی تھیں۔ بقول حفیظ تائب:

تجھ سا کوئی آیا ہے، نہ آئے گا جہاں میں　　　دیتا ہے گواہی، یہی عالم کا جریدہ

(عالم کا جریدہ: دنیا کا رسالہ، مراد دنیا)

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق وہ مشعل ہے جو رہتی دنیا تک انسانیت کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ باوفا مسلمانوں نے ہر دور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے پرچم کو اپنی جانیں دے کر اونچا رکھا۔ انھوں نے وفا کی تاریخ اپنے لہو سے لکھی۔ وہ شمع رسالت پر پروانوں کی طرح قربان ہوتے رہے۔ ناموس محمدؐ کے لیے سر کا نذرانہ پیش کرنا ان کے نزدیک زندگی کی سب سے بڑی سعادت بنی رہی۔ بقول اقبال:

تھے تو آبا وہ تمھارے ہی مگر تم کیا ہو　　　ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

(منتظر فردا: کل کا انتظار کر رہے ہو کہ کوئی آئے گا اور حالت کو بدلے گا)

ہمیں سوچنا چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا کا نتیجہ ہی تھا کہ قرونِ اولیٰ کے بے سروسامان مسلمان ایک قلیل عرصے میں دنیا پر چھا گئے۔ قیصر وکسریٰ کی شوکت ان کے قدموں پر جھک گئی۔ اندلس اور سندھ کی سرزمین ان کے قدم چومنے لگی۔ نیل سے کاشغر تک اور چین سے ہسپانیہ تک وہ عزت کا مرکز بنے رہے۔ اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر مسلسل برستی رہیں۔ فرشتے ان کی نصرت کے لیے آسمان سے قطار اندر قطار اترتے رہے اور یہ سب اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض تھا۔ بقول اقبال:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے　　　وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

(تدبر: غور وفکر۔ گردوں: آسمان)

آج پھر کفر کی تاریکیوں نے اسلام کے نور کو گھیرا ہوا ہے۔ آج مسلمان محروم یقین ہیں۔ آج نہ ہمارے سجدوں میں کوئی کشش ہے نہ ہماری دعاؤں میں کوئی تاثیر۔ آج ہماری بے بسی پر ایک دنیا ہنس رہی ہے، بے یقینی اور بے کسی کے اس عالم میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایک بار پھر پرانے عہد کو تازہ کریں۔ اپنے دل میں، محبوب خدا کی محبت پیدا کر لیں۔ آپؐ کے ارشادات کو اپنی زندگی کا واحد سہارا قرار دے لیں کیوں کہ آپؐ ہی کی ذات، بے ٹھکانا انسانیت کا آخری سہارا ہے۔ آپؐ کی سیرت بصیرت کو بصارت اور آپ کا ذکر زبان کو حسن عطا کرتا ہے۔ آپؐ کا راستہ، نجات کی واحد امید اور کامیابی کی واحد دلیل ہے۔ آپؐ ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ جب تک ہم عملی طور پر اس نور اور اس سرور کو حاصل نہیں کرتے اس وقت تک نہ ہمیں اس دنیا میں کامیابی نصیب نہیں ہوگی۔ بقول اقبال:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

Geniusnesthub.com
CamScanner

میری پسندیدہ کتاب قرآن مجید

متبادل عنوانات: ۱۔قرآن۔۔۔ہدایت کا دستور ۲۔نور ہدایت۔۔۔قرآن ۳۔نسخہ کیمیا

کچھ کتابیں صرف ایک بار پڑھنے کے لیے ہوتی ہیں۔ کچھ کتابیں بار بار پڑھی جاتی ہیں، مثلاً مذہبی کتابیں۔ لیکن ایک کتاب ایسی ہے جو قیامت تک کے لیے رحمت، ہدایت ہے اور ہمیشہ پڑھی جانے والی ہے اور وہ قرآن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے برسوں ادبی، سیاسی، اخلاقی اور تاریخی موضوعات پر بہت سی کتابیں پڑھی ہیں اور شاید ہی کبھی کسی کتاب کو دوبارہ پڑھا ہو۔ لیکن یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی اس کی لذت کم نہیں ہوتی۔ انسان ہر بار اس کی گہرائیوں سے نئے موتی دریافت کرتا ہے۔ نئے جہان اس کے منتظر ہوتے ہیں۔ سوچ اور فکر کو نئے افق ملتے ہیں۔ الغرض دنیا میں اگر کوئی کتاب میرے دل و جان کا حصہ ہے تو وہ قرآن ہے۔ بقول الطاف حسین حالی:

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

(حرا: مراد غار حرا۔ سوئے قوم: قوم کی طرف۔ نسخہ کیمیا: مراد قرآن پاک۔ قرنوں: زمانوں۔ جہل: جہالت۔ کایا: حالت)

لفظ ''قرآن'' عربی لفظ ''قرآت'' سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب ہے کسی چیز کو پڑھنا۔
جب کہ لفظ ''قرآن'' مبالغے کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کسی شے کو بار بار پڑھنا یا
بکثرت پڑھی جانے والی کتاب اور بلاشبہ قرآن دنیا میں سب سے، کثرت سے اور بار
بار پڑھی جانے والی کتاب ہے

قرآن اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ایک مکمل منشور زندگی ہے۔ اس لیے یہ ایک بہترین ضابطہ حیات ہے کیوں کہ اسے بھیجنے والا ہر دور کی ہر اس ضرورت سے آگاہ ہے جو قیامت تک انسان کو پیش آسکتے ہیں۔ اس میں رہتی دنیا تک کے لیے انسان کی تمام ضروریات کے لیے رہنما اصول موجود ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ پاک کی شکل میں اس کی عملی تعبیر بھی ہمارے سامنے ہے۔ نہ قرآن کا کوئی رخ دھندلایا ہے اور نہ شریعت کا کوئی انداز مرجھایا ہے۔ دونوں آج بھی ویسے ہی شگفتہ ہیں جیسے صدیوں پہلے تھے۔ اسی لیے اقبال نے مومن کو یہ ترغیب دی ہے کہ:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

قرآن آخری کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور امت محمد یہ کا ہر فرد اس دین کی اشاعت اور تحفظ کا ذمہ دار ہے زمانہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے انسان کے بنیادی مسائل تبدیل نہیں ہوا کرتے ان بنیادی امور کے لیے قرآن نے تفصیلی احکام دیے ہیں اور بدلنے والے معاشرتی اور سیاسی حالات کے لیے اصولی رہنمائی بھی دی ہے۔ تاکہ اجتہاد کے ذریعے اہل دانش ہر دور کے، ہر لحظہ بدلتے ہوئے تقاضوں سے عہدہ برا ہو سکیں۔ یوں اسلام ہر زمانے میں قابل عمل تھا اور ہر آنے والے دور میں قابل عمل رہے گا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمان قرآن کے ساتھ وابستہ رہے، اس سے رہنمائی لیتے رہے، وہ دنیا کی سیادت پر فائز رہے۔ اور جب ہم نے قرآن کو طاقوں میں سجا کر رکھ دیا۔ اپنی عملی زندگی سے بے دخل کر دیا تو ہم زمین پر آن پڑے۔ بقول اقبال:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

پھر قران ایک ایسی کتاب ہے جس کے بارے میں ہم حرف بہ حرف دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ تبدیل نہیں ہوئے۔ یہ بعینہ وہی الفاظ ہیں جو اللہ سبحان وتعالیٰ کی طرف سے اس کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے۔ پہلے انبیاؑ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانی ہدایت کا ایک مکمل اور پاکیزہ پیغام لے کر آئے۔ لیکن گردش زمانہ سے یا ان کے اپنے ہی پیروکاروں کے ہاتھوں ان کی تعلیمات وقت کے ہاتھوں دھندلاتی چلی گئیں۔ ان پر نازل ہونے والی کتابیں بھی مسخ ہو گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسانیت بے راہ ہو کر رہ گئی کیوں کہ ان کتابوں کی مسخ شدہ صورت انسانی رہنمائی کا فرض

Geniusesthub.com
CamScanner

ادا کرنے سے قاصر تھی۔ لیکن قرآن ایک ایسا کلام تھا جس کی حفاظت کا ذمہ خود رب تعالیٰ نے اُٹھایا تھا اور جسے قیامت تک کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ بننا تھی اسی لیے یہ کسی بھی قسم کی تبدیلی یا اضافے سے محفوظ رہی۔

اور ہم ہی اس ذکر کو نازل کرنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر:۹)

قران کا سب سے بڑا معجزہ اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ یہ ایک ایسی بے مثل کتاب ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اسی لیے قران میں یہ چیلنج ہر ایک کے لیے موجود ہے کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے، یہ کسی بشر کا کلام ہے تو پھر اس جیسا کلام لے آئیں۔ بلکہ ایک جگہ تو صرف ایک سورت لانے کا چیلنج دیا گیا ہے۔ اور یہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کا معجزہ ہی ہے کہ آج تک کوئی اس چیلنج کو پورا نہیں کر سکا۔

کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔ (الاسرا:۸۸)

یہ اس کا معجزہ ہی تھا کہ عرب جو اپنی زبان پر ناز کرتے تھے وہ اس معیار پر اس کی مثل لانے سے عاجز آ گئے۔ یہاں تک کہ بہت سے عرب شاعروں نے اس کی عظمت کا اعتراف کیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ مثلاً شاعر بسید معلقہ مسلمان ہوا تو شعر کہنا چھوڑ دیے۔ شاعر طفیل بن عمرو الدوسی جو اپنے قبیلے کے سردار بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی قرآن سن کر مسلمان ہوئے۔ اور پھر یہ قران کی فصاحت و بلاغت اور پیغام کی عظمت ہی تھی کہ جس نے حضرت عمرؓ جیسے شخص کو بھی اسلام کی طرف کھینچ لیا۔ سوائے ان کے جن کے دل ذاتی مخاصمت، عناد، غرور، حسد، خود پسندی کی وجہ سے سخت ہو چکے تھے، جیسے ابو جہل اور ابولہب۔

قرآن آخری اصول زندگی ہے ہم نے اسے الماریوں کی زینت بنا رکھا ہے یہ کتاب ہدایت ہے اس کے نور سے دل منور ہونے چاہیں۔ یہ کتاب ڈراتی بھی اور خوشخبری بھی دیتی ہے۔ اس کی ہر بات پکی اور سچی ہے روشن اور واضح ہے یہ سراپا نصیحت ہے۔ گمراہوں کے لیے ہدایت اور بیمار روحوں کے لیے سواٴ ہے یہ باطل کے خلاف اعلان جنگ ہے یہ ایک کسوٹی ہے جس پر حق و باطل کی پرکھ ہوتی ہے اس کا کوئی گوشہ کوئی صفحہ کوئی لفظ اور کوئی حرف ایسا نہیں جو حکمت سے لبریز نہ ہو۔

مرتب ہو گیا منشور حق، دستور آزادی — نظام کفر و باطل کے مقدر میں تھی بربادی
خزاں دیدہ چمن کو موسم گل کا پیام آیا — بڑے ارمان سے توحید کا گردش میں جام آیا

قرآن پاک اپنے اندر ہر نوع کا علم لیے ہوئے ہے انسان قیامت تک ہر میدان میں اس سے رہنمائی لیتا رہے گا عبادات ہوں یا معاملات سائنسی ارتقا ہو یا فلسفیانہ امور ادب کے سلسلے ہوں یا آداب کے قرینے سیاست کی رمزیں ہوں یا معیشت کے تقاضے، قرآن ہر رخ حیات کے لیے بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ قرآن بار بار کائنات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور یوں تسخیر فطرت کے دروازے کھولتا اور عمل کا پیام دیتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو بہترین امت قرار دیتا اور انھیں کائنات پر چھا جانے کا حکم دیتا ہے یہ قدیم قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں سناتا ہے تاکہ مسلمان ماضی کی روشنی میں حال کو سنبھال سکیں۔ بقول اقبال:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے — وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارہ

ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہم سب کچھ بھلا کے اپنے آباؤ اجداد کی طرح قرآن کو اپنی زندگی کا محور و مرکز بنائیں۔ یہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کی تعمیل بھی ہو گی اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا راستہ بھی ہمارے لیے پھر سے کھل جائے گا۔

Geniusneshub.com
CamScanner

میرا نصب العین/اسلامی معاشرہ

متبادل عنوانات:

۱۔ کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے ۲۔ وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر ۳۔ اسلامی معاشرے کی تعمیر

ایک انسان جب اپنے وجود اور زندگی پر غور کرتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ اور یہ سب نظام کائنات کسی مقصد کے تحت پیدا کیا گیا ہے۔ ہر ذرہ کا ایک مقصد ہے، ایک تقدیر ہے جس کے تحت وہ اپنے حصے کا کام سرانجام دے رہا ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک انسان محض کھانے پینے اور نسل بڑھانے کے لیے پیدا ہوتا ہے اور پھر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو جاتا ہے۔ انسان کو جو چیز اسے دوسرے جانداروں سے ممتاز کرتی ہے، وہ صرف مقصدیت کا شعور ہے کہ انسان غور و فکر اور تدبر سے اپنے مقصدِ حیات کو پہچان سکتا ہے۔

لیکن یہ فرق ضرور ہے کہ ہر انسان اپنی زندگی کے مقصد پر اپنی فکر اور عقیدے کے مطابق غور و فکر کرتا ہے۔ اور پھر اپنی منزل یا ہدف کا تعین کر کے، آگے بڑھنا شروع کرتا ہے۔ اس راستے میں آنے والی تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرتا ہے، صبر کرتا ہے، آگے بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ آخر کار یا تو وہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے یا وہ اطمینان قلب کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے کہ وہ کم از کم شمع جلانے والوں میں سے تھا: بقول احمد فراز:

شکوہ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

اگر چہ زندگی کے اس بنیادی مقصد کے ساتھ ساتھ وہ فکرِ معاش کے لیے بھی کئی اہداف متعین کرتا ہے لیکن بنیادی مقصد کا تعین صرف اور صرف عقیدے یا بنیادی فکر سے طے پاتا ہے۔ جہاں تک میرا سوال ہے تو میرا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا مالک اور خالق ہے۔ اس نے ہمیں آزمائش کے لیے اس دنیا میں بھیجا ہے اور قیامت کے دن وہ ہمارے ان تمام اعمال کا حساب لے گا۔ اس نے زندگی گزارنے کے لیے ایک ضابطہ حیات، اسلام کی صورت میں دیا ہے۔ یہ ضابطہ حیات یا قانون جس معاشرے کی بنیاد ہوگا، وہ اسلامی معاشرہ کہلائے گا۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ آج معاشرے کا یہ اسلامی تصور مغربی تہذیب کی گرد میں کہیں کھو چکا ہے۔ اس لیے میری زندگی کا مقصد اولین اس گرد کو ہٹا کر اسی اسلامی معاشرے کی حیات نو ہے جس کا آغاز مدینہ کی پاک سرزمین سے ہوا تھا۔ بقول اقبال:

خرد کو غلامی سے آزاد کر جوانوں کو پیروں کا استاد کر

(خرد: عقل۔ پیروں: بوڑھوں)

معاشرے کی اہم بنیاد وہ قانون ہے جس پر اس کی تعمیر ہوتی ہے۔ اگر قانون اسلام سے ہوگا اور افراد کی تربیت کا انتظام اسلامی ثقافت کی بنیاد پر ہوگا تو ایسے معاشرے کو اسلامی معاشرہ کہا جائے گا۔ اگر معاشرے کی بنیاد غیر اسلامی قانون پر ہوگی اور افراد کی تربیت کا انحصار بھی غیر اسلامی ثقافت پر ہوگا تو اسے غیر اسلامی معاشرہ کہا جائے گا۔ اسلامی معاشرے کا سب سے بنیادی عنصر ''عقیدۂ توحید'' ہے۔ انسان جب اپنے اردگرد کی دنیا پر غور کرتا ہے تو اسے نظر آتا ہے کہ یہ کائنات محض اتفاق کی بنا پر خود بخود وجود میں نہیں آگئی بلکہ اسے ایک بلند و برتر ذات نے خاص حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔ وہ ذات جو دکھائی تو نہیں دیتی لیکن ہر جگہ اس کے ہونے کے نشان موجود ہیں۔ بقول میر تقی میر:

دیا دکھائی مجھے تو اسی کا جلوہ میر پڑی جہان میں آکر جہاں نظر میری

اسلامی معاشرے کے تمام افراد اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ دنیا کی یہ زندگی عارضی ہے۔ محض ایک امتحان ہے کہ آیا ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق خود کو ڈھالتے ہیں یا نہیں۔ دونوں راستے ہمارے سامنے ہیں۔ شر کی قوتیں بھی راستے میں کانٹے بکھیر رہی ہیں اور خیر کی

تو تیں بھی اپنے دامن میں پھول لیے موجود ہیں۔ انتخاب انسان کا اپنا ہے اور یہی اس کا امتحان ہے۔

ہم نے دکھا دیے اس کو دونوں راستے۔ (البلد:۱۰)

اگر انسان رحمن کا راستہ چن لے گا اور شیطان کے راستے سے منہ موڑ لے گا تو رحمن اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ اس کی دنیا اور آخرت دونوں حسن کا مرقع بن جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی میں نیک و بد کی تمیز رکھ دی ہے۔ اور یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ بھولے ہوئے سبق یاد دلانے کے لیے نبیوں کو بھی مامور فرماتا رہا ہے اور اپنے آخری نبی ﷺ کے ذریعے اس نے اپنے دین کو مکمل فرما دیا ہے اور اسلامی معاشرے کے حسن و جمال کے لیے ایک خوبصورت آئین ہمیشہ کے لیے محفوظ فرما دیا ہے۔ بقول مولانا ظفر علی خان:

ہوئی ختم اس کی حجت اس زمین کے بسنے والوں پر
کہ پہنچایا ہے ان سب تک محمد نے کلام اس کا

اب یہاں لوگ عموماً اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ شاید اسلام صرف آخروی کامیابی پر زور دیتا ہے اور دنیاوی کامیابی اور سیادت کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ تو ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ایسا نہیں ہے۔ اسلام ایک مکمل دین ہے جو آخرت کی بادشاہت کے ساتھ ساتھ دنیا کی بادشاہت کا بھی ایک مکمل لائحہ عمل تجویز کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرونِ اولیٰ کے مسلمان اسلام پر من و عن عمل پیرا ہوئے تو دنیا بھی ان کے قدموں میں جھک گئی اور ایک سو سال کے اندر اندر آدھی سے زیادہ دنیا ان کے سامنے سرنگوں ہو گئی۔ سہ سائنس ٹیکنالوجی میں آگے نکل گئے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کا مقصدِ اول ہمیشہ اُخروی کامیابی ہی رہتا ہے، خواہ اس کے لیے کتنی ہی قربانی دینی پڑے۔ دنیاوی کامیابی ایک ثانوی چیز ہے۔ بقول اقبال:

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

وہ معاشرہ جو اسلام کی بنیاد پر تعمیر ہوا تھا، وہ ایک ہزار سال تک دنیا میں اپنی مثال آپ رہا۔ جہاں لوگ غربت سے نہیں مرتے تھے۔ جہاں عورت غیر محفوظ نہ تھی۔ وہ ایک باوقار زندگی گزارتی تھی۔ جہاں بچوں کی تعلیم و تربیت کا مدار اسلام پر تھا۔ جہاں صرف اللہ ہی کا حکم چلتا تھا۔ یہ وہ معاشرہ تھا جس کی بنیاد چودہ سو سال پہلے مدینہ میں رکھی گئی تھی۔ لیکن جہاں جہاں مسلمان گئے، وہاں وہاں اپنے ساتھ اس معاشرے کی بنیادیں تعمیر کرتے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایسی عالمگیر تہذیب وجود میں آئی جو اپنی مثال آپ تھی۔ جو مادی اور روحانی دونوں لحاظ سے ترقی یافتہ تھی۔ لیکن آج کے مسلمانوں کے دیکھ کر بالکل یقین نہیں آتا کہ وہ ایسی شاندار امت کا حصہ رہے ہیں۔ بقول اقبال:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

یعنی جب ہم نے عملاً اسلام کے سنہری اصولوں سے روگردانی کی تو زندگی کے ہر میدان میں ہم رسوا ہو گئے۔ خیر کی صلاحیتوں پر شر کی قوتیں غالب آ گئیں۔ انسان، حیوان ہو گیا۔ اخوت کی جگہ فرقہ پرستی نے لے لی، نگاہوں سے حیا، لبوں سے ادب اور دلوں سے ایمان نکل گیا۔ دین کی محبت پر دنیا کا لالچ غالب آ گیا، تقلید اور جمود نے اجتہاد و تحقیق کے راستے بند کر دیے عقیدے کی کمزوری نے جہاد کے جذبے کو سرد کر دیا، علوم و فنون میں ترقی ختم ہو گئی اور نقالی رہ گئی۔ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کی چند سالوں کی تربیت نے مسلمانوں کو صدیوں تک زمانے کا امام بنا دیا اور ہم نے اس راستے کو چھوڑ کر خود کو ذلت اور گمنامی کے گڑھوں میں گرا دیا اور روز بروز عبرت کا نقش بنتے چلے گئے۔

اگر ہم پھر سے ویسا ہی معاشرہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی بنیاد اسلام ہو، جس کا رہن سہن اسلام ہو، جہاں لوگوں کی سوچ اسلام ہو، جہاں لوگوں کی پسند ناپسند اسلام ہو، جہاں زندگی کا مقصد اللہ کی رضا ہو، جو دنیاوی بادشاہت اور آخروی بادشاہت دونوں کا راستہ دکھائے تو ہمیں پھر وہیں سے شروعات کرنی پڑے گی۔ جہاں سے یہ کہانی شروع ہوئی تھی۔ ہمیں پھر سے مدینہ کی طرز پر ایک اسلامی معاشرے کی تعمیر کے لیے اپنا کردار ادا کرنا پڑے گا اور اس کے لیے مثال اسوہ حسنہ ﷺ کو بنانا پڑے گا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

Geniusnesthub.com
CamScanner

میرا پسندیدہ شاعر علامہ اقبالؒ

متبادل عنوانات:

۱۔شاعرِمشرق ۲۔اقبال کا پیغام ۳۔مفکرِ پاکستان ۴۔میری پسندیدہ ادبی شخصیت ۵۔اقبال کے افکار

اک ابر نوبہار فضاؤں پہ چھا گیا
اقبال اس چمن کی رگوں میں سما گیا

کہا جاتا ہے کہ تاریخ ان عظیم انسانوں کی سوانح عمری کا نام ہے، جنھوں نے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔ان عظیم ہستیوں میں ہر شعبہ ہائے زندگی سے لوگ شامل ہیں۔وہ شاعر بھی شامل ہیں جن کا کلام آج بھی زبان زدِ عام ہے۔اور جن کے تصورات آج بھی فکرِ انسانی کو متاثر کررہے ہیں۔لیکن علامہ محمد اقبال ان شاعروں میں، مجھے سب سے زیادہ پسند ہیں۔ انھیں شاعرِ مشرق بھی کہا جاتا ہے۔

یہ عظیم شاعر سیالکوٹ میں پیدا ہوا۔وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔مولوی میر حسن جیسے استادوں سے فیض اُٹھایا۔پھر لاہور آکر گورنمنٹ کالج میں داخلہ لیا۔جہاں ایم اے تک تعلیم حاصل کی۔اسی دوران شاعری بھی چلتی رہی لیکن اس میں کلاسیکی شاعری کا رنگ نمایاں ہے۔پھر 1905 میں یورپ کا سفر اختیار کیا، جس کے بارے میں خود اقبال کہتے ہیں کہ اس سفر نے مجھے مسلمان کردیا۔وہاں لندن اور جرمنی میں تعلیم حاصل کی۔سیر و سیاحت کے سلسلے میں سپین بھی گئے۔یورپ جانے سے پہلے مغربی افکار سے متاثر تھے۔جن میں وطن پرستی کے اثرات نمایاں تھے۔اور یہ اثرات اس دور کی مشہور نظم ''ترانۂ ہندی'' میں دیکھے جاسکتے ہیں۔لیکن یورپ کے سفر نے کھلی آنکھوں سے مغربی تہذیب کے مشاہدہ کا موقع عطا کیا۔جس نے اس کی سطحیت، بودے پن اور تاریکی کا اندازہ ہوا۔یہی وجہ ہے کہ سفرِ یورپ سے واپسی پر مغربی تہذیب سے بیزاری اور اسلامی تصورات کی طرف رجوع کیا۔جس کا ایک اظہار نظم ''ترانۂ ملی'' کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔یہ ۱۹۰۸ کے بعد کا زمانہ ہے۔اور یہیں سے اقبال کی اس شاعری کا آغاز ہوتا ہے جس نے انھیں ہر دل عزیز بنا رکھا ہے۔خصوصاً وطن واپس آکر فلسفہ خودی پر کام شروع کیا جس نے انھیں ایک فلسفی کے طور پر نمایاں کردیا۔

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اقبال نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ مسلمانوں کے زوال کا دور تھا۔پوری دنیا میں عالمِ اسلام زوال کی پستیوں کی طرف لڑھک رہا تھا۔ہندوستان مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔اور ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے بعد سے مسلمانوں کی حالت بد سے بدترین ہوتی چلی جارہی تھی۔یہی صورتحال خلافتِ عثمانیہ کی تھی جو مردِ بیمار کی صورت اپنا آخری زمانہ دیکھ رہی تھی۔عرب، ایشیا، وسط ایشیا، افریقہ الغرض ہر جگہ ایک ایسی تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔اسی تاریکیوں کو دیکھ کر حالی نے نوحہ لکھا تھا:

اے خاصہ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

اور پھر یہ زوال اقبال ہی کی زندگی میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا جب مغرب کے استعماری ممالک نے سازشوں اور گٹھ جوڑ سے مسلمانوں کی وحدت کی علامت خلافتِ عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور اسے چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم کرکے ملت اسلامیہ کی وحدت کا شیرازہ بکھیر دیا۔سیاسی اسلام کے زوال اور خاتمے کے بعد فکری زوال بھی اپنی انتہاؤں کو پہنچ گیا۔مسلمانوں کے فہم اسلام میں کمزوری کا یہ عالم پیدا ہوگیا کہ اسلام صرف دعاؤں اور عبادات تک محدود ہوکر رہ گیا۔وہ دین جو ساری زندگی کا قرینہ تھا اب عبادتوں اور ریاضتوں کا سفینہ بن چکا تھا۔

رہ گئی رسمِ اذاں، رُوحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

Geniusnesthub.com

CamScanner

اس دور میں اقبال روشنی کے پیامبر بن کر زوال سے ابھرا۔ اس کے ہاتھوں میں افکار کے شمع تھی۔ جسے وہ جابجا اپنی شاعری میں روشن کرتا رہا۔ اور بھٹکنے والوں کو راستہ دکھاتا رہا۔ یوں تو اقبال کی شاعری گہرے فلسفیانہ رموز بھی لیے ہوئے ہے لیکن کچھ افکار ایسے ہیں جو ان کی شاعری میں جابجا موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اقبال نے سفرِ یورپ سے واپسی پر جس تصور پر سب سے زیادہ زور دیا، وہ تھا ملت کا تصور۔ اقبال نے اپنی شاعری میں جابجا اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ مسلمان ایک قوم کی بجائے ایک امت ہیں۔ جس کی بنیاد کسی رنگ، نسل یا زبان کی بنیاد پر نہیں بلکہ عقیدے کی بنیاد پر رکھی جاتی ہے۔ گویا نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر ایک ہی امت ہے، جو ایک جسم کی مانند ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

اقبال ۱۹۰۵ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے یورپ کے سفر پر روانہ ہوئے اور تین سال تک وہاں رہے۔ اس سفر سے پہلے وہ مغربی خیالات کے حامل ایک عام سے ہندوستانی نوجوان تھے۔ لیکن چوں کہ اللہ نے انھیں بصیرت سے نوازا تھا اس لیے وہاں جا کر وہ مغرب کی ظاہری چمک دمک سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے گہرائی میں جا کر مغربی تہذیب کے کھوکھلے کو محسوس کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب وہاں سے لوٹے تو بالکل ایک بدلے ہوئے اقبال تھے۔ پھر اسی لیے انھوں نے اپنی شاعری میں جابجا مغربی تہذیب کے ظاہری دھوکے، چمک دمک، سطحیت اور ظلمت کو موضوع بنایا ہے۔

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہو گا

انھوں نے اپنی شاعری میں مغربی تہذیب کے سب سے بڑے مظہر وطنیت پرستی کو خوب نشانہ بنایا۔ بقول ان کے یہ دورِ جدید کا ایک نیا مذہب ہے، جس کا شکار آج مسلمان بھی ہو چکے ہیں۔ اسی لیے وہ اپنی شاعری میں مسلمانوں کو اس تصور کی حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ یہ غیر فطری تصور ہے اور وحدت ہی مسلمانوں کا مقدر ہے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

اقبال کی شاعری کا اہم موضوع مسلمانوں کے سیاسی اور فکری زوال کا نوحہ ہے۔ اقبال کی مشہور نظمیں شکوہ، جواب شکوہ، شمع اور شاعر، خطاب بہ جوانانِ اسلام وغیرہ اسی نوحے کا پرتو ہیں۔ اقبال اس مرض کی صحیح تشخیص کے بعد اس کا علاج بھی تجویز کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو پھر سے اسلام کے ساتھ جڑنے اور اس کی بنیاد پر آگے بڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اسی لیے ان کے ہاں عظمتِ رفتہ کی یاددہانی کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ ان کی نظموں میں جابجا مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں کو اپنی عظمتِ رفتہ کی کہانی سنائی جاتی ہے۔ انھیں جھنجوڑا جاتا ہے کہ وہ اپنے زوال سے نکلنے کے لیے تگ و دو کریں اور اپنے ماضی کو اپنے حال سے جوڑ کر اپنے مستقبل کے سفر کا تعین کریں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اس خوابیدہ قوم کے اندر یہ شعور نہیں پیدا کیا جائے گا کہ وہ کیسی عظیم امت ہے، وہ کبھی آگے بڑھنے پر تیار نہیں ہو گی۔ اس لیے ان کی نظموں میں امت خصوصاً نوجوانوں کو بار بار عظمتِ رفتہ کی یاددہانی موجود ہے۔

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

وہ ایسے نوجوانوں سے محبت کرتا ہے جو ستاروں پر کمندیں ڈالتے ہیں، اپنی زندگی عشق اور جنون کے جذبے کے ساتھ بسر کرتے ہیں کسی

Geniusneshub.com
CamScanner

اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

اقبال ایک دردبھرا دل رکھتے تھے ان کے دل میں قوم کی محبت تھی۔ وہ مسلمان قوم کی تباہ حالی کو دیکھ دیکھ کر تڑپتے تھے۔انھوں نے دیکھا کہ برصغیر پاک و ہند میں ہندو متحد ہیں اور مسلمان بکھرے ہوئے ہیں۔انھوں نے اس حقیقت کا بغور جائزہ لیا کہ ہندو اور مسلمان ایک ہو سکتے ہیں اور نہ ایک ملک میں رہ سکتے ہیں۔ دونوں کی تہذیب، معاشرت اور مذہب کی قدریں جدا جدا ہیں۔ ان میں کوئی بھی قدر مشترک نہیں ہے۔ اور ہندو کی تنگ نظری، زندگی کے کسی میدان میں بھی مسلمان کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتی۔ چنانچہ ان کی مفکرانہ فطرت نے مسلمانوں کے لیے ایک ایسے آزاد وطن کا خواب دیکھا جس میں وہ اپنی تاریخ، اپنی روایات اور اپنی تہذیب کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اس خواب کی تعبیر کے لیے ان کی دور اندیش سوچ نے قائداعظم جیسی شخصیت کا انتخاب کیا۔ جنھوں نے بڑی ہی کامیابی کے ساتھ پاکستان کا مقدمہ لڑا، نتیجہ معلوم کہ ان کے خلوص میں اس قدر کشش تھی کہ ہندوستان کے تمام مسلمان ان کی طرف یوں کھنچے چلے گئے جس طرح پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے۔ اقبال کی بصیرت کی روشنی میں اور قائداعظم کی ہدایات کے تحت مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا اور اس کے لیے انھوں نے اپنا لہو دیا، اپنی عزتوں اور جائیدادوں کو قربان کیا اور ہزاروں عصمتیں دے کر، اس ایک عصمت کی بنیاد رکھی جس کا نام پاکستان ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ سفر ابھی تمام نہیں ہوا۔

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(اتمام: مکمل ہونا)

اقبال محض ایک شاعر نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسا عظیم شاعر ہے جو تاریک راستوں پر چراغ جلاتا ہے۔ جو کھو جانے والوں کو راستہ دکھاتا ہے۔ جو تاریکیوں میں منزلوں کی خبر دیتا ہے۔ بلاشبہ ایسے عظیم شاعر صدیوں ہی پیدا ہوئے کرتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

Geniusnesthub.com
CamScanner

ماحولیاتی آلودگی ایک زہر

متبادل عنوانات: ۱۔ ماحولیاتی شگفتگی اور درخت ۲۔ جنگلات کا اثر صحت انسانی پر ۳۔ ماحول اور انسان

انسان کے اطراف موجود کائنات اور اس کی تمام چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں، اللہ نے اس کائنات کو پہاڑوں، جنگلوں، دریاؤں، ندی نالاؤں، ہواؤں اور دیگر مختلف چیزوں سے آباد کیا ہے اور زمین کو ان کا مستقر بنایا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

''اللہ کی کاری گری ہے جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) مضبوط بنا رکھا ہے'' (النمل: ۸۸)

اللہ عزوجل نے کائنات کی ہر چیز کی تخلیق میں اس خصوصیت کا بھرپور خیال رکھا ہے کہ وہ چیز انسانی حیات اور انسان کے ساتھ زمین پر رہنے والی زندہ مخلوق کی حیات کے لئے مفید ہو۔ چنانچہ اللہ نے ہر چیز کی تخلیق مکمل موزونیت کے ساتھ کی ہے، تاکہ وہ چیز اپنی موزونیت سے انسان کے اطراف آباد دنیا کی فضاء اور اس کے ماحول کے موافق فطرت رہنے میں مددگار بنے اور اس سے انسان کو ایک خوشگوار صحت بخش ماحول مل سکے جس میں وہ اپنی جان وصحت کے تحفظ کے ساتھ اپنے رب کی عبادت میں ہمہ وقت مصروف رہ سکے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

''اور ہم نے ہر چیز کو (ٹھیک ٹھیک) اندازے سے پیدا کیا ہے۔'' (سورۃ القمر: ۴۹)

موزوں اور مناسب انداز و مقدار میں کائنات کی یہ چیزیں جو انسان کے اطراف کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جب تک یہ توازن قائم رہتا ہے، فطری ماحول کی خوبصورتی اور دلکشی قائم رہتی ہے۔ لیکن جب انسان اس فطری توازن کو اپنی ایجادات، اعمال، مادوں کے بے جا استعمال سے خراب کر دیتا ہے تو ماحولیاتی آلودگی کا عفریت جنم لیتا ہے۔

آلودگی پاکستان سمیت ساری دنیا کا مسئلہ ہے جس کی وجہ سے عالمی حدت میں اضافہ ہو رہا ہے اور دنیا کے موسم بدل رہے ہیں۔ سیلاب اور طوفان شدید سے شدید تر ہوتے جا رہے ہیں۔ زراعت بری طرح متاثر ہو رہی ہے اور اس شعبے سے وابستہ آبادی کے لیے گزر بسر مشکل ہو رہی ہے۔ پاکستان کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے جو موسمیاتی تبدیلی سے سب سے زیادہ متاثر ہو سکتے ہیں۔ عالمی حدت بڑھنے سے قطبین پر برف پگھل رہی ہے اور سطح سمندر بلند ہو رہی ہے۔ سمندر کی سطح بلند ہونے سے مالدیپ جیسے ممالک کے ڈوبنے اور کئی دیگر کے مسلسل سمندری طوفانوں کی زد میں آنے کا امکان بڑھتا جا رہا ہے۔ اس عمل سے میٹھے پانی کے ذخائر میں کمی آ رہی ہے۔ بقول احمد فراز:

بستیاں چاند ستاروں کی بسانے والو کرۂ ارض پہ بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ

انسانیت کو چار طرح کی آلودگی سے زیادہ خطرہ ہے۔ اول فضائی آلودگی ہے۔ کیمیائی طور پر تیار کی گئیں اشیا اور دیگر مختلف قسم کے کچرے کو جب ملایا جاتا ہے تو اس سے نکلنے والا دھواں فضائی آلودگی کا باعث بنتا ہے اور اس سے نکلنے والی زہریلی گیس اور ذرات فضا میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان سے انسانی صحت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کینسر، پھیپھڑوں کے علاوہ گلے کی پیچیدہ بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ سڑکوں پر رواں دواں دھواں اڑاتی ہوئی گاڑیاں فضائی آلودگی میں اضافہ کا باعث ہیں۔ ہمارے یہاں روش چل پڑی ہے کہ ہر معاملے میں گاڑی کا استعمال کیا جاتا ہے جب کہ ان سڑکوں کے اردگرد اور درمیان میں سبزہ اور ماحول دوست پودوں کی کمی ہے۔ علاوہ ازیں گاڑیوں کی موزوں مینٹیننس کا نہ ہونا بھی ماحول کی خرابی کا سبب ہے۔ بجلی کی پیداوار کے لیے استعمال کیے جانے والے ذرائع بھی فضائی آلودگی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں جو لوگوں کو وقت سے پہلے ہی موت کی جانب دھکیل رہے ہیں۔ بقول قابل اجمیری:

وقت کرتا ہے پرورش برسوں حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

دوسری بڑی آلودگی آبی ہے۔ صاف پانی بہت بڑی نعمت ہے لیکن یہ ایک خواب بنتا جا رہا ہے۔ ہمارے دریا، جھیلیں اور سمندر آلودہ ہو

GeniusNestHub.com
CamScanner

رہے ہیں۔آلودگی زیرزمین پانی تک بھی پہنچ چکی ہے۔اس کی وجہ خطرناک کیمیائی عناصر کی پانی میں ملاوٹ ہے۔اس کے اسباب میں فیکٹریوں کے فضلے اور نکاسی کے گندے پانی کی ملاوٹ شامل ہے۔خطرناک کیمیکل اور پیٹرولیم مصنوعات سے لدے بحری جہازوں کے حادثات سمندری آلودگی میں اضافے کا باعث ہیں۔بقول شاعر:

بہتر ہے کہ ڈالو نہ ستاروں پہ کمندیں　　　انساں کی خبر لو کہ وہ دم توڑ رہا ہے

تیسری بڑی آلودگی شور ہے۔ہمارے ہاں شور کو بری چیز سمجھنا تو درکنار لوگ اس سے لطف اندوز ہونے کی شے سمجھا جاتا ہے مثلاً موسیقی کو اونچی آواز میں سننا اور شادی بیاہ کے موقع پر زوردار پٹاخے ثقافت کا حصہ بن گئے ہیں۔شور سے قوت سماعت میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔خصوصاً عمر کے بڑھنے کے ساتھ یہ مسئلہ سنگین نوعیت اختیار کرلیتا ہے۔شور سے ایک اور انتہائی مضر بیماری ہائی بلڈ پریشر پیدا ہوتی ہے۔بقول شاعر:

لٹ رہا ہے کارواں ، پاسباں کہاں گئے　　　کون ہے محوِ فغاں ، رازداں کہاں گئے

ایک قسم زمینی آلودگی کی ہے۔بہت سے مضر کیمیکل غیر محسوس انداز میں ہماری روزمرہ کی زندگی کا حصہ بن چکے ہیں جیسے پلاسٹک اور کیڑے مار زہر۔یہ زمین کو آلودہ کرتے ہیں۔صنعتوں کا فضلہ بھی زمینی آلودگی کا بڑا سبب ہے۔پاکستان میں کیڑے مار زہروں کا فصلوں پر بے دریغ استعمال ہورہا ہے جس سے زمین کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی بھی متاثر ہورہی ہے۔بقول بیکل اتساہی:

زمیں پیاسی ہے ، بوڑھا گگن بھی بھوکا ہے　　　میں اپنے عہد کے قصے تمام لکھتا ہوں

ہم سمجھتے ہیں کہ کرۂ ارض کے تمام مسائل اور مشکلات کا سب سے بڑا سبب یہاں بسنے والے انسان ہیں۔سڑکوں پر دھواں اڑاتی گاڑیاں، کارخانوں کی دھواں اگلتی چمنیاں، کیمیکل پلانٹس سے خارج ہوتا زہریلا پانی گرین ہاؤس گیسوں کے خاتمے کی وجہ سے بن رہا ہے۔علاوہ ازیں بڑے پیمانوں پر جنگلات کی کٹائی کرۂ ارض کے توازن میں بگاڑ کا باعث ہے جب کہ یہی درخت فضا میں موجود کاربن گیسوں کو دوبارہ زندگی بخش آکسیجن میں تبدیل کرتے ہیں۔اب ہمارا بنیادی اور اہم فریضہ ہے کہ ہر شخص اپنی سہولت کے مطابق ایک پودا لگائے جو صدقہ جاریہ کے ساتھ ساتھ فضائی خوشگواری کا ذریعہ بھی ہے۔پولی تھین بیگز کا استعمال کم سے کم اور ری سائیکلنگ اشیا کا استعمال کیا جائے تاکہ کچرا بننے کے امکانات کم سے کم ہوں۔نیشنل فورم آف انوائرمنٹ اینڈ ہیلتھ کے صدر نعیم قریشی نے کچرا جمع ہونے پر کہا ہے کہ کراچی میں روزانہ کی بنیاد پر ۱۰ ہزار ٹن کے قریب کچرا اٹھکانے لگانے میں انتظامی مشینری ناکام ہے۔لہٰذا عام آدمی اپنے معاملات میں بہتر لائے تاکہ زندگی کو خوشگوار بنایا جاسکے۔

آلودگی کے خاتمے میں جنگلات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ترقی یافتہ ملکوں میں کل رقبے کا ۲۵ فیصد حصہ جنگلات پر مشتمل ہوتا ہے۔المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں کل رقبے کا ۳ فیصد جنگلات پر مشتمل ہے۔جنگل کٹ رہے، کوٹھیاں اور کارخانے بن رہے ہیں، جنگلی حیات کے تحفظ کا احساس بھی ہمارے اندر نہیں ہے۔جنگل کاٹ کر، صنعت میں اضافہ ایک خام خیالی ہے۔یوں ہماری زندگی موت کے قریب ہوتی چلی جارہی ہے۔حقیقت میں درخت کاربن ڈائی اوکسائڈ جذب کرتے ہیں اور آکسیجن چھوڑتے ہیں۔لیکن نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ بقول ناصر کاظمی:

اُڑ گئے یہ باغ سے کہ کر طیور　　　اس گلستاں کی ہوا میں زہر ہے

اسلامی تعلیمات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کائنات کے ماحول کی اہمیت کے پیش نظر اس نے روز اول سے ہی ایسی تعلیم دی ہے جس سے ماحولیات کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک وصاف معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔اور اس نے ہر اس چیز سے منع کیا ہے جو ماحول کو آلودہ کرتا ہے اور جس کے منفی نتائج انسان یا کسی مخلوق پر پڑتے ہیں۔اور ان چیزوں کی تاکیدی تعلیم دی ہے جو ماحول اور معاشرہ کو پاکیزہ اور غیر آلودہ رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔

GeniusesHub.com
CamScanner

شجر کاری ایک صدقہ جاریہ

اللہ تعالیٰ نے بار بار کائنات اور مظاہر فطرت پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ اپنے اندر جھانکنے کی بھی ترغیب دی ہے کہ ہر مقام پر اللہ کی حکمت وقدرت نظر آتی اور اللہ کی ذات بلند و برتر پر ایمان پختہ ہوجاتا ہے اس بنیادی حقیقت کے علاوہ مظاہر فطرت زبان حال سے محبت وشفقت، ذوق وشوق اور تحمل و بربادی کا درس دیتے ہیں، سورج کی ان اولیں کرنوں کو دیکھیے جو رات کی ظلمتوں کو ایک ساعت میں نگل جاتی ہیں۔ وہ کرنیں بتاتی ہیں کہ سحر یونہی نہیں ہوگئی۔ پہلے رات کٹتی ہے۔ پھر ستارے ٹوٹتے ہیں، پھر پو پھٹتی ہے، پھر سحر ہوتی ہے۔

ع   کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

پھر باغوں میں جائیے، جھومتے ہوئے درختوں، لہلہاتے ہوئے پودوں اور چٹکتے ہوئے غنچوں پر ایک نظر ڈالیے کہ ان کو اس بہار کے لیے کن جانگداز مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے۔

آج کی دنیا ماحولیاتی آلودگی کے ہاتھوں اس قدر پریشان ہے کہ دھواں دھواں فضا میں سانس لینا بھی عذاب ہوگیا ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ نہ صرف درخت لگائے جائیں بلکہ انھیں پروان بھی چڑھایا جائے اور تندرست وتوانا درختوں کی حفاظت بھی کی جائے تب یہ درخت اس آلودہ، کثیف اور گھٹی گھٹی فضا کو ایک صحت مند نکھار عطا کریں گے اور انسانی تدابیر سے کہیں تیز تر انداز میں جنت نگاہ اور نشاط روح کا سامان مہیا کریں گے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ درخت، زمین کی زرخیزی کو قائم رکھتے، سیلاب کے ریلوں کی شدت میں کمی کرتے، پھلوں اور سبزیوں کو پیدا کرتے اور جل جل کر انسانی ضروریات پورا کرتے ہیں۔ افسوس کہ ہم جس تیزی سے جنگل کاٹتے ہیں۔ اس سرعت سے درخت لگاتے نہیں ان کی حفاظت نہیں کرتے ہمیں چاہیے کہ ہم اولاد کی طرح ان کی حفاظت کریں یہاں تک کہ وہ خود اس قدر تناور جائیں کہ زمین کی تہوں سے اپنی خوراک کھینچ سکیں۔

درخت، انسانیت کے لیے فطرت کا بہترین تحفہ ہیں۔ یہ انسان کے ازلی ساتھی ہیں۔ ابتدائی ایام میں زمین کی وسعتوں میں سرگرداں انسان کو انہی درختوں نے سایہ عطا کر کے گھر کی ضرورت کا احساس دلایا۔ پتوں نے جسم ڈھانپنے اور پھلوں نے خوراک کی فراہمی کا درس دیا۔ یہاں تک کہ سانس لینے کے لیے فطری آکسیجن مہیا کی۔ مگر افسوس آج انسان سب کچھ جانتے بوجھتے بھی اس بے بہا خزانے کو کاٹ رہا ہے جب کہ بہت بعد سائنس دان اس حقیقت تک پہنچے ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ قدیم دور ہی میں درخت انسان کے لیے نفع بخش تھے اور آج نہیں۔ حق یہ ہے کہ عمارتی لکڑی سے کر ایندھن تک، کاغذ ماچس، چپ بورڈ، بروزہ، کیمیاوی اشیا سے لے کر حیوانات کے چارے تک، تند ہواؤں کی روک تھام سے لے کر زمین کے کٹاؤ کے سدباب تک، درخت آج بھی انسان کے ہمدرد دوست اور غمگسار ہیں۔ لیکن ان کے بے جا کٹاؤ سے ہوا زہریلی ہوتی جارہی ہے۔ بقول ناصر کاظمی:

اُڑ گئے یہ باغ سے کہ کر طیور   اس گلستاں کی ہوا میں زہر ہے

درخت، زراعت میں زمیندار کی اعانت کرتے ہیں۔ مگر افسوس زراعت کے فروغ کے لیے جنگلوں کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ نو آبادیوں کے لیے جنگل صاف کر دیے جاتے ہیں ہماری زمینداروں میں زراعت کا تصور انتہائی محدود ہے۔ چند فصلیں، ترکاریاں اور چارہ اگا لینا، کمال زراعت نہیں بلکہ ضروری ہے کہ زراعت کے امدادی شعبوں کی طرف توجہ دی جائے اور زمیندار اپنا فالتو وقت شجر کاری اور گھریلو صنعتوں میں صرف کرے۔ مثال کے طور پر ریشم کے کیڑے پالنے کو ایک اضافی شغل کے طور پر اپنایا جاسکتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں شجر کاری کے بغیر زراعت

نامکمل ہے۔زمینوں سے فالتو درخت ضرور کاٹے جائیں مگر موزوں مقامات پر درخت لگائے بھی جائیں اور شجر کاری اور زراعت کے درمیان تناسب کو قائم رکھا جائے۔بقول محسن نقوی:

مری وسعتوں کی ہوس کا خانہ خراب ہو   مرا گاؤں شہر کے پاس تھا سو نہیں رہا

درخت زراعت میں انتہائی مدد و معاون ہیں یہ آب و ہوا کو مرطوب رکھتے ہیں۔نرم و نازک فصلوں کو لو کی حدت اور سردی کی شدت دونوں سے محفوظ رکھتے ہیں یہ زمین کی صحت کو قائم رکھتے ہیں سیم وشور کے انسداد کے لیے یہ فطری ٹیوب ویل ہیں انہی درختوں پر ایسے پرندے بسیرا لیے ہیں جو فصلوں کے مضر کیڑوں کو کھا جاتے ہیں یہی درخت خود کو ٹڈی دل کے لیے پیش کر کے فصلوں کی حفاظت کرتے ہیں۔جنگلات مختلف کاموں کے لیے لکڑی ہی مہیا نہیں کرتے، وہیں سے ہمیں شہد جیسی شافی نعمت بھی ملتی ہے اور دواؤں کے لیے کافی جڑی بوٹیاں بھی اور پھر لکڑی کی محتاج تو انسانی زندگی کا ساتھ ہے۔مہد سے لے کر لحد تک لکڑی کا ساتھ ہے، گھر کی آسائش ہو یا گھوارے کے آرائش، میت کا تختہ ہو یا قبر کی گہرائی ہر مقام پر لکڑی ہمارے ساتھ ہے۔یہ ہری ہو تو اہل زمین کے لیے آب و ہوا کو معتدل رکھتی ہے، بارش لانے میں مدد دیتی اور بارش کو زمین کی زرخیزی ختم کرنے سے روکتی ہے۔آپ حیران ہوں گے کہ یہ درخت آندھیوں کو تحمل عطا کرتے ہیں تھل کے ریگستان کو جب آباد کیا گیا تو بہت مشکل پیش آئی ہواؤں کی وجہ سے ریت کے ٹیلے اپنی جگہ بدلتے رہتے تھے سڑکیں بنائی جاتیں تو وہ ریت سے اٹ جاتیں، نہریں کھودی جاتیں تو وہ ریت سے بھر جاتیں، بالآخر شجر کاری نے اس مشکل کو حل کر دیا اور آندھیوں سے کہا کہ جاؤ تمھارا یہ رستہ نہیں ہے۔

ہمارے ہاں آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے اور درخت کم ہو رہے ہیں پنجاب میں جنگلات کا کل رقبہ سارے رقبے کا صرف تین فیصد ہے۔یہ حقیر تناسب قابل تشویش ہے۔اور معیشت میں کوئی معاونت نہیں کر سکتا۔ہمیں آبادی کے اعتبار سے ایندھن کی ضروری مانگ پوری کرنے کے لیے ہر سال لاکھوں روپیہ زر مبادلہ کی شکل میں خرچ کرنا پڑتا ہے۔لکڑی نہ ہونے کی وجہ سے دیہات میں گوبر جلتا ہے جو ایک قیمتی کھاد ہے۔صنعتی ترقی کا انحصار بھی لکڑی پر ہے۔کاغذ سے لے پلائی وڈ تک۔اور دیا سلائی سے لے کھلونوں کے سامان تک، کتنے ہی صنعتی ادارے ہیں جو کار آمد لکڑی کے منتظر اور محتاج ہیں۔اور کون نہیں جانتا کہ ریشم کے کیڑوں کے لیے شہتوت، لاکھ کے کیڑوں کے لیے بیری، سیڑھیاں بنانے کے لیے بانس، ٹوکریاں بنانے کے لیے توت اور چمڑا رنگنے کے لے کیکر کی چھال ضروری ہے۔گویا انسان ستاروں پہ کمندیں ڈال رہا ہے لیکن اسے زمین پر ہونے والی اس بربادی کی کوئی فکر نہیں۔بقول اقبال:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا   اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

الغرض شجر کاری کے سلسلے میں ہماری عدم دلچسپی نے آبادیوں کا حسن، تفریح کا سامان اور سیاحوں کی کشش ختم کر دی ہے۔چرندوں اور پرندوں کے لیے پناہ گاہوں کا فقدان نظر آ رہا ہے۔ہم نے اس بے زبان مخلوق کا بھی امن و سکون چھین لیا ہے۔جنگلی حیات رکھنے والی قیمتی نسلیں نایاب ہو گئی ہیں۔سبزہ زار، بنجر، سڑکیں ویران اور دیہات افسردہ نظر آ رہے ہیں۔یوں لگتا ہے کہ ہم نے فطرت کی عطا کردہ خوبصورت رداؤں کو تار تار کر دیا ہے اور حسن فطرت کی عریانی اور ویرانی چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

❁❁❁❁❁

CS CamScanner